افاداتِ سلیم چشتی مرحوم

حقیقتِ نفس و روح

نفس اور روح کے اتحاد یا مغائرت میں حکمائے اسلام و غیر اسلام کا مشہور اختلاف ہے حکمائے اسلام کی طرح حکمائے یونان بھی اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں کہ آیا یہ الگ الگ ہیں یا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اس مسئلہ پر مبسوط ترین کتاب حافظ ابن قیمؒ نے لکھی ہے۔ اگرچہ ابن سینا نے بھی 'اشارات' میں اس مسئلہ پر مبسوط بحث کی ہے اور گو یہ صحیح ہے کہ اس نے جو کچھ کہا وہ ارسطو کی تقلید ہے مگر محققانہ انداز میں۔ بلکہ جو دلائل اس نے لکھے ہیں شاید ارسطو کو بھی نہ سوجھے ہوں۔

ائمہ متکلمین میں سے امام رازیؒ نے "شرح اشارات' میں نیز علامہ قطب الدین رازی نے اشارات کی دونوں شروح رازیؒ اور طوسیؒ پر محا کمہ لکھا ہے۔

افلاطون سے پہلے بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے۔

مزید براں سید شریف جرجانی صاحب شرح مواقف نے جہاں جوہر اور عرض کے مباحث لکھے ہیں اسی مسئلے پر بحث کی ہے اور تفسیر کبیر کے پندرھویں پارہ میں بھی "قل الروح من امر ربی" کے ذیل میں یہ بحث تفصیل سے آئی ہے۔ علاوہ ازیں شرح مقاصد میں بھی یہی بحث ہے مگر بہت مختصر۔ پھر علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں مفصل بحث کی ہے اور علامہ طنطاویؒ نے تفسیر "الجواہر" میں بحث کی ہے۔

متصوفین میں سے غزالیؒ نے اپنی کلامیہ تصانیف میں اس مسئلہ پر خوب بحث کی ہے چنانچہ تہافتہ اور احیاء دونوں میں یہ بحث موجود ہے۔

صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ان دونوں لفظوں کا استعمال معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن ان لفظوں کا استعمال کن کن معنوں میں کرتا ہے۔ غلط فہمی اس لئے ہوئی کہ اُس وسعت کو نظر انداز کر دیا گیا جس کے ساتھ اس کا استعمال ہوا ہے۔

نفس

قرآن نے لفظِ نفس کا استعمال متعدد معنوں میں کیا ہے۔ مثلاً

(۱) شے کی حقیقت و کنہ ذات میں جہاں ایک شے کی حقیقت اور کنہ کا اظہار مقصود ہو۔ جیسے سورۂ مائدہ ۱۶ع میں فرمایا "لَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ" اے خدا جو تیری حقیقت اور کنہ ہے میں نہیں جانتا؟ یہاں "نفس" کے معنی کسی صورت میں بھی روح کے نہیں ہو سکتے

(۲) جنس و نوع کے معنی میں جیسے سورۂ نساء میں فرمایا:

خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

اگر نفس واحدہ سے مراد شخص ہے تو مراد حضرت آدمؑ ہوئے اور منہا کی ضمیر آدم کی طرف (بتاویل نفس) راجع ہوگی تو نتیجہ یہی ہو گا کہ حوا بھی آدم سے پیدا ہوئی۔

غلطی کا مبنیٰ یہ ہے کہ یہاں نفس دراصل جنس و نوع کے معنی میں مستعمل ہے۔ اسے فرد واحد سمجھ لیا گیا۔

اسی کی تائید سورۂ نحل ۸ع کی مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا

یہاں اہل سنت نے بھی طوعاً و کرہاً یہ کہا ہے کہ "من انفسکم ای من جنسکم و نوعکم" مزید تائید سورۂ روم ۳ع سے ہوتی ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا

حدیث میں آیا ہے کہ تم عورتوں کے ساتھ سختی مت کرو کیونکہ ان کی فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی انّہن خلقن من ضلع اعوج یہ محض اسلوب بیان ہے۔ جس طرح کہتے ہیں "خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ" (انبیا ۳ع) تو اب یہاں عجلت انسان کا مادہ نہیں ہے بلکہ انسان کی جلد بازی کی وجہ سے ایسا کہہ دیا گیا۔ اسی طرح عورتوں کی نفسی کیفیت کا بیان "پسلی" سے کیا گیا ہے۔ عورتیں پسلی کی طرح ہوتی ہیں۔ کجی یا خمیدگی ان کی فطرت میں داخل ہے!

(۳) قرآن نے اس کا استعمال ہر جاندار چیز کے متعلق بھی کیا ہے عام اس سے کہ وہ انسان ہو یا حیوان ہو۔ جاندار چیز پر لفظ نفس کا اطلاق ہوتا ہے مثلاً "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" میں کسی خاص جنس یا نوع کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ موالید ثلاثہ میں سے جو جاندار ہے وہ ضرور مرے گا۔

یہاں پہلے معنی نہیں لئے جاسکتے کیونکہ حقائق پر موت طاری نہیں ہو سکتی اسی طرح اجناس وانواع پر موت طاری نہیں ہو سکتی۔

(۴) قرآن نے اس کا استعمال محض انسانی افراد پر بھی کیا ہے۔ مثلاً سورۂ انعام ۱۹ع میں فرمایا وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ الخ یعنی مت قتل کرو کسی انسان کو۔ اس کی تائید سورۂ مائدہ ۵ع سے بھی ہوتی ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ (مراد انسان ہے)

(۵) قرآن نے اس کا استعمال محض جان (LIFE) یا (SOUL) کے معنوں میں بھی کیا ہے۔ یعنی وہ چیز جو جاندار کو "جاندار" ٹھہراتی ہے سورۂ انعام ۱۱ع میں ہے

وَ لَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِکَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ

نفس انسانی کے قرآن کریم نے تین مراتب بیان کئے ہیں۔ ہر مرتبہ کے اعتبار سے اس کے مختلف نام مقرر کئے ہیں۔ نفس انسانی تین نہیں ایک ہی ہے۔ جس طرح نفس نباتی نفس حیوانی بنا اسی طرح نفس حیوانی نفس انسانی بنا' اب نفس انسانی کے تین مراتب ہیں نہ کہ انواع متضادہ مثلاً سورۂ یوسف ۷ع میں فرمایا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ۔ یہ نفس اَمّارہ کا بیان ہوا (پارہ ۲۹) سورۂ قیامت ۱ع میں فرمایا لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ○ یہ نفس لوّامہ کا بیان ہوا اور سورۂ فجر ۱ع میں فرمایا یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ۔ یہ نفسِ مطمئنّہ کا بیان ہوا۔

رُوح

لفظ نفس کی طرح لفظ روح میں بھی وسعت ہے مثلاً

(۱) قرآن نے اس کا استعمال اس لطیف ترین چیز میں بھی کیا ہے جس کی وجہ سے جاندار چیز جاندار کہلاتی ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ

(۲) جانداروں میں سے خصوصاً روح انسانی (نفس ناطقہ) کے لئے اسے بکثرت استعمال کیا گیا ہے جیسے

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِکَةُ (نباء ۲ع)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَ الرُّوْحُ (معارج ۱ع)

مندرجہ بالا آیات کے متعلق مفسرین کے تقریباً سات اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے دو اقوال کے علاوہ بقیہ اقوال نہایت عجیب و غریب ہیں جن کی تفصیل تفسیر طبری اور روح المعانی میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۳) قرآن نے اس لفظ کا استعمال جبرئیلؑ کے حق میں بھی کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انبیاء ہیں کلام الٰہی پہنچانے کی خدمت سرانجام دیتے رہے ہیں جو کہ مردہ قلوب کی حیات کا باعث ہے چنانچہ سورۂ مجادلہ کے تیسرے رکوع میں جہاں حضور علیہ السلام کے صحابہ کی خدا پرستی کی وجہ سے ان کی تعریف کی گئی ہے یعنی اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ [1]

(۴) قرآن نے اس لفظ کا زیادہ وسیع استعمال اپنے حق میں کیا ہے اور بلاشبہ یہ استعمال ایک حقیقت مسلمہ کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح مادیات کی حیات کا باعث ارواح ہیں اسی طرح ارواح کی حیات کا اکمل ترین سبب خود قرآن کریم ہے۔ چنانچہ سورۂ شوریٰ ۵ع میں ہے۔

اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (قرآن کریم اتارا)

(۵) قرآن کے علاوہ عام الہام ربانی کو روح قرار دیا گیا ہے۔

"یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ. الاٰیة" اس وحی سے

---

[1] عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں یہ آیت پیش کرتے ہیں" اَیَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ " روح القدس اور روح ایک ہی الفاظ کے دو مختلف نام ہیں یعنی حضرت جبرئیلؑ۔ تو ان سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ کے تو نبی کی تائید روح القدس سے کی گئی۔ یہاں غلامان رسول اللہؐ کے لئے اس کی تائید کا اعلان موجود ہے آگے اس کی زیادہ تصریح آتی ہے۔ نذیر قرآن نے عموماً جبرئیل کا عنوان روح القدس کو بتایا ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں تو فقط بروح منه ہی ہے لیکن آپ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کے حق میں دعا فرماتے ہوئے قدس کی قید بھی بیان فرما دی اللهم ایده بروح القدس

اسی طرح توبہ ۶ع میں فرمایا وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید تو ایک ہی فرشتے سے ہوئی۔ یہاں لشکر کا لشکر صحابہ کرام کی تائید میں بھیج دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید بھی ہوئی۔ لیکن افسوس کہ مؤید صاحب انہیں پھانسی پر لٹکنے سے نہ بچا سکے۔ لیکن غلامان رسول اللہ ۳۱۳ ہونے کے باوجود ایک شاندار فتح حاصل کر کے کامران ہو کر واپس لوٹے۔

مراد اگر انبیاء سابقین کے الہامات لئے جائیں تو یہ غلط ہو گا کیونکہ اس میں "یُلْقِیْ" بعینہٖ مضارع واقع ہوا ہے اور اس کی غرض انذار ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ اس کا عام اور سادہ مفہوم یہی ہے کہ بعض دقتیں جو پیروان امت محمدؐ یہ کو وقتاً فوقتاً پیش آئیں گی وہ لوگوں کو اس القاء روح یا الہام ربانی کے ذریعہ سے ان دقتوں سے نکالے گا اور یہ بات ختم نبوت میں مخل نہیں ہے۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ تبلیغ وارشاد کرنے والے کے لئے جو رکاوٹیں پیش آتی ہیں تائید الٰہی سے ان کو دور کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیام ساعت تک قائم رہے گا۔

(مومن ۲ ع۔ تفسیر روح المعانی)

اسی مضمون کا تذکرہ سورۂ نحل میں بھی موجود ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنْذِرُوا

ایک دوسرے رنگ میں یہی مضمون سورۂ حٰم سجدہ میں آتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ان عنایات اور تائید ایزدی کا دروازہ کب کھلتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ○

یعنی ملائکہ کا نزول اور القاء روح اس وقت ہوتا ہے جب کہ انسان پورا پورا دین الٰہی پر قائم ہو جائے اور اس کو پختہ یقین ہو جائے کہ میرا رب خدا ہے اس کے سوا کوئی نہیں اسی استقلال کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ ہر کام میں میری تائید ہو رہی ہے وہ خود بخود جنت کی خوشخبری سننے لگتا ہے۔ یہ سب استقامت فی الدین کا نتیجہ ہے۔ اس آیت کے بعد جو آیت آتی ہے اس میں دعوت وارشاد کا ذکر صاف موجود ہے جس سے اس نظریہ کی تائید مزید ہوتی ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ

(دعوت الی الحق سے اچھی بات کون سی ہے؟)

نفس وروح کی اس وسعت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد جو حقیقت نفس وروح کی ائمہ دین اور حکماء ملت نے بیان کی ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں اس حقیقت کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

الذی بہ تحصل الحیاۃ و التحرّک و التنفّس و استجلاب المنافع و استد فاع المضار۔ یعنی روح ایک ایسی چیز ہے جس سے کہ حیات حاصل ہوتی ہے اور حرکت پیدا ہوتی ہے اور تنفس جاری ہوتا ہے جس کے ذریعہ نفع کی چیزلی جاتی ہے اور مضرت کی چیز دور کر دی جاتی ہے۔

ان دونوں الفاظ کے مشتقات سے تنفس ہی کی بو آتی ہے۔ یعنی روح اور نفس کے مشتقات میں سے ایک راح ہے یعنی خوشبو۔ دوسرے ریح ہے یعنی ہوا۔ پھر نفس کے معنی میں سانس۔ یہ سب چیزیں تحرک و تنفس کو ظاہر کرتی ہیں۔

متکلمین و حکماء و محدثین و اصفیاء نے ان الفاظ میں اس کی حقیقت کو ظاہر کیا ہے

جسم نورانی علوی متحرک مخالف بالماھیۃ فی الزیتون و النار فی الفحم لا یقبل التحلل ولا تبدل ولا تغرق و ممزق مفید للجسم المحسوس الحیاۃ و توابعھا ما دام صالحا لقبول الفیض لعدم حدوث ما یمنع من السریان

یعنی روح ایک جسم ہے نورانی، علوی، زندہ، متحرک اور اس محسوس جسم کی ماہیت سے مختلف ہے اس جسم میں اس طرح جاری ہے جیسے گلاب میں پانی یا عرق، زیتون میں تیل، کوئلہ میں آگ نہ تحلیل ہو سکتا ہے نہ تبدیل ہو سکتا ہے نہ توڑا جا سکتا ہے نہ پھوڑا جا سکتا ہے۔ اس محسوس جسم کی زندگی اور لوازمات زندگی کو فائدہ دینے والا ہے جب تک کہ اس میں اس کا فیض قبول کرنے کا مادۂ صالح موجود رہتا ہے اور اس کی سرایت میں مادی جسم میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہو جاتی۔

امام رازیؒ نے اسی قول کے حق میں فرمایا ہے۔

قول مذھب قوی و قول شریف سب سے قوی اور اچھا قول یہی ہے (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۳۹)

نیز اس کے حق میں حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں یہ فیصلہ کیا ہے۔ انہ الصواب و لا یصح غیرہ (یہی درست ہے کہ اس کے علاوہ کوئی بات صحیح نہیں ہے) اور فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت، اجماع صحابہ، ادلۂ عقلیہ اور دلائل فطریہ سب اسی امر کے مؤید ہیں۔ پھر اس دعویٰ کے اثبات میں ۱۰۵ دلائل پیش کئے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ نے "روح المعانی" جلد ۵ صفحہ ۱۴۴۔ ۱۴۳ پر اسی قول کی تعریف کی ہے اس کے علاوہ حکماء وعلماء کے متعدد اقوال ہیں جن میں سے ہر ایک قول کی امام رازیؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے تغلیط کی ہے۔ ان اقوال میں سے جن کو فلاسفہ یونان، بعض حکماء اسلام، بعض شیعہ، صوفیاء اور معتزلہ نے اختیار کیا ہے اور جس کی حمایت میں شیخ الرئیس ابن سینا نے " الحجج الغرا " (چمکتی ہوئی دلیلیں) نامی رسالہ لکھا ہے اور شیخ شہاب الدین مقتولؒ اور معمر بن عبادؒ، ابو القاسمؒ اور علامہ المفیدؒ نے شیخ کی حمایت کی ہے۔

صوفیاء میں سے امام غزالیؒ کی طرف بھی یہ قول پیش کرتے ہیں وہ تعریف روح ونفس کی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

لیس بجسم و لا جسمانی لیس بداخل العالم و لا خارجه و لا متصل به لا منفصلا عنه متعلق بالبدن تعلق التدبر و التصرف

نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ نے تفسیر فتح البیان میں بعض اہل تحقیق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ روح کی جو تعریفیں کی گئی ہیں ان کی تعداد اٹھارہ سو تک پہنچ گئی ہے (فتح البیان جلد ۵ صفحہ ۳۶۱)

بحثِ حدوث وقدمِ رُوح

افلاطون اور اس کے پیشوا کی طرف منسوب ہے کہ وہ روح کو قدیم کہتے تھے۔ ہمارے علم کے مطابق ارسطاطالیس نے سب سے پہلے قدامت پسندوں کے نظریہ کو باطل ٹھہرایا۔ حکماء مشائیہ اور اشراقیہ نے ارسطاطالیس کے نظریہ کی تائید میں کئی کتابیں لکھیں۔ حکماء اسلام نے بھی ارسطاطالیس ہی کا مسلک اختیار کیا ہے۔ ادلہ نقلیہ حدوث روح ہی کے حق میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین وفقہاء متکلمین ومتصوفین کا حدوث روح پر اتفاق ہے۔ حافظ ابن مندہؒ نے اپنی کتاب الروح میں (جس کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں روح کے متعلق اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی) امام محمد بن نصر مروزیؒ سے نقل کیا ہے کہ روح کے مخلوق اور حادث ہونے پر ہر خیال کے مسلمان علماء کا اتفاق ہے۔ لیکن روح کے متعلق جو کتابیں لکھی گئی ہیں اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو ان سے ضرور معلوم ہو گا کہ بعض غالی رافضین اور باطنیہ صوفیاء نے افلاطون کی کورانہ تقلید کو

حاشیہ اگلے صفحے پر

قرآن کے اتباع پر ترجیح دی ہے حالانکہ ارسطو کے بعض مقلدین اور خود افلاطون کے بعض مقلدین اپنے پیشوا کے قول کی تاویلیں کرتے ہیں۔

بلاشبہ مشائیہ اور اشراقیہ میں سے بعض فلاسفہ اور محدثین میں سے محمد بن نصر مروزیؒ اور ابو محمد بن حزم ظاہریؒ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ ارواح بدن انسانی سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں اور ان دونوں بزرگ محدثین نے اپنے دعویٰ کی تائید میں صحیح بخاری کی اس حدیث کو پیش کیا ہے۔

الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف و ما تنا کر اختلف

(بخاری جلد ا صفحہ ۴۷۹، کتاب الانبیاء)

یعنی روحیں لشکروں میں تھیں۔ جس جسم نے اسے پہچان لیا اس سے الفت ہو گئی۔ اور جس نے اس دنیا میں نہ پہچانا وہ اس سے علیحدہ اور مختلف ہو گئیں۔ روحوں کا ملاپ ہے۔ اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ صحیح میں کسی جگہ اس کی سند متصل نہیں ہے۔ آپ نے نہایت صاف بیانی سے کام لے کر فرمایا ہے کہ اس کی متصل سند صرف امام بخاریؒ کی کتاب المفردات میں مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ امام خطابیؒ اور علامہ قرطبیؒ نے اس حدیث کے متعلق بالکل بجا فرمایا کہ اس کے ذریعہ حضور علیہ السلام یہ ظاہر فرما رہے ہیں کہ جس طرح ابدان میں تمایز، تغایر اور تناسب ہے اسی طرح ارواح میں بھی ہے (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۳۳)

البتہ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ علامہ خطابیؒ بھی علامہ ابن جوزیؒ کے قول کے مطابق ابن حزمؒ کے ہم خیال ہیں (روح المعانی جلد ۱۵ صفحہ ۱۴۴)

ان بزرگواروں نے اپنے نظریہ کی تائید میں دوسری حدیث یہ پیش کی ہے۔

خلق الله ارواحًا قبل الاجساد بالفی عام

حافظ ابن قیمؒ نے اس حدیث کی بابت بجا فرمایا۔ لا یصح اسنادہ (صحیح سند نہیں ہے)

(حاشیہ صفحہ سابقہ) امام محمد بن نصر مروزی کو مسلمانوں کے جزوی سے جزوی اختلافات میں بہت مہارت تھی۔ عہد صحابہ سے لے کر اس وقت تک جس قدر مسئلوں میں مختلف مسلمانوں کے فرق کا اختلاف ہے اس کا سب پر احاطہ تھا۔ حافظ ابن کثیر نے بھی ان کا حال لکھا ہے اور فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۸۲ پر بھی موجود ہے۔

امام غزالیؒ چونکہ جرح وتعدیل کے شہ سوار نہ تھے اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

المراد بالارواح الملائکۃ (روحوں سے مراد فرشتے ہیں) (روح المعانی جلد ۱۴ صفحہ ۳۸) ان بزرگواروں نے اپنی تائید میں سنن ترمذیؒ کی یہ روایت بھی پیش کی ہے۔

انا اول الانبیاء خلقا و اخرھم بعثا و کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین

(میں نبی ہوں خلقت میں اول بعثت میں آخر' اور میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی میں ہی تھے۔

اس نفیس ترین حدیث کی سند میں جو کلام ہے اسے نظر انداز کرتے ہوئے خود حدیث کے صحیح ماننے والوں نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ خلق بمعنی تقدیر ہے' خلق بمعنی ایجاد نہیں ہے۔ اور حضورؐ نے (بشرط صحت حدیث) ظاہر فرمایا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کی غرض سے اہم ترین غرض میری تشریف آوری ہے اور ہندسیہ اصول کے مطابق غرض تصور و تقدیر میں مقدم اور وجود خارجی میں موخر ہوتی ہے۔ اس لئے جب میری ہی بعثت' بعثت انبیاء کی غایت ہے تو میرا ظہور آخر میں ہی ہونا لازمی و ضروری ہے۔ ہندسین کا قول ہے اول الفکر آخر العمل

بعثتِ انبیاء سے مقصود فطرت انسانی کو سعادت کاملہ اور تقرب الٰہی سے مالامال کرنا ہے اور وہ اکمل ترین سعادت اور اقرب ترین تقرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بعثت سے نوع انسانی کو حاصل ہوا۔ (روح المعانی جلد ۱۴ صفحہ ۳۸)

جمہور ائمہ اسلام اور اس کے متبعین کا مسلک یہی ہے کہ حدوثھا مع حدوث البدن (یعنی بدن کے ساتھ ہی روح پیدا ہوتی ہے) لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جن دو جوہروں میں اتصال ہو ان میں سے ایک کا فنا ہو جانا دوسرے کے فنا ہو جانے کو مستلزم نہیں ہے اس لئے بدن کے ساتھ روح کا فنا ہونا ضروری نہیں ہے جنہوں نے جسم کی طرح روح کو بدن مانا ہے وہ دونوں کا تعلق اس طرح مانتے ہیں جیسے بیج اور تیل' پھول اور خوشبو۔ بیج ضائع ہو جاتا ہے لیکن تیل موجود رہتا ہے اس سے واضح مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک برتن میں پانی ہو اور وہ برتن کسی دوسرے برتن میں رکھا ہو جب چھوٹا برتن ٹوٹ جائے گا تو اس کے ٹوٹنے سے پانی کا ضائع ہو جانا مستلزم نہیں بلکہ وہ اسی بڑے برتن میں چلا جائے گا۔ یہی حال روح کا ہے۔ ائمہ اسلام نے اس نظریہ کی تائید میں (یعنی حدوثھا مع

حدوث البدن) سورہ مومنون کی اس آیت کو پیش کیا ہے۔

"............ثم انشأناہ خلقاً اٰخر............"

اس آیت میں لفظ خلق اور انشا کے معنی قابل غور ہیں۔ خلق تدریجی (GRADUAL ______ ہے یعنی پہلے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ وغیرہ لیکن انشا آنی چیز ہے اسی لئے روح کے آنے کو انشا کہا مفسرین کا اتفاق ہے کہ انشأناہ سے مراد نفخ روح ہے۔

اس کے علاوہ صحیح بخاریؒ میں یہ حدیث موجود ہے۔

ان خلق احدکم فی بطن امہ اربعین یوما نطفۃ ثم یکون علقۃ مثل ذالک ثم یکون مضغۃ مثل ذالک فینفخ فیہ الروح (مشکواۃ المصابیح کتاب الایمان بالقدر صفحہ ۲۰)

اس حدیث کو سامنے رکھ کر نفخِ روح کی جتنی آیات ہیں ان سے حافظ ابن قیمؒ نے اپنے نظریہ کی تائید کی ہے (روضۃ المحبین و نزھۃ المشتاقین) امام رازیؒ اور غزالیؒ بھی اسی نظریہ کے مؤید ہیں۔

بحثِ اتحادِ روح و نفس

علماءِ امت کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کا عنوان ہیں یا دونوں دو متضاد حقیقتوں کے عنوان ہیں۔ امام ابن زید نے اکثر علماء امت کا مسلک یہی بیان کیا ہے کہ وہ دونوں ایک ہی چیز کے عنوان ہیں۔ ابن حبیب اور حافظ ابن مندہؒ نے حکایتاً نفس کے طینی اور روح کے نوری ہونے یا نفس کے ناسوتی اور روح کے لاہوتی ہونے کے متعلق چند اقوال نقل کئے ہیں۔ ان بزرگوں نے اپنی تائید میں جو بڑی سے بڑی دلیل پیش کی ہے وہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے جو روح المعانی جلد ۲۴ صفحہ ۷ پر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس عقل و تمیز کا ذریعہ ہے اور روح تنفس و تحرک کا۔ حالانکہ ہم نفس و روح کی صحیح ترین تعریف لکھ آئے ہیں اور اس کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ عقل و تمیز، تنفس و تحرک بلکہ استجلاب اور استدفاع سب ایک ہی چیز کے خواص و آثار ہیں۔ انہی خواص و آثار کے کم نمایاں ہونے کی صورت میں اس کا نام نفس نباتی ہے اور جب وہ خواص و اوصاف کچھ زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں اور تحرک و تنفس کا سلسلہ بھی ان میں معلوم ہونے لگتا ہے تو اس کا نام نفس حیوانی ہے اور

جب یہ خواص و آثار زیادہ ترقی کر لیتے ہیں اور عقل وتمیز نمایاں ہو جاتی ہے تو اسے نفس انسانی یا نفس ناطقہ کہا جاتا ہے۔

پھر نفس ناطقہ میں تحصیل سعادت اور تحصیل شقاوت کے لحاظ سے مختلف مراتب ہیں اور ہر مرتبہ کا ایک مستقل نام ہے۔

امّارہ، لوّامہ، مطمئنّہ

حافظ ابن قیمؒ اور ان کی طرح بہت سے آئمہ تحقیق نے یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ نفس اور روح مصداقاً ایک ہی چیز ہیں۔ خود حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول اتحاد کے متعلق موجود ہے ان کے علاوہ صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت اتحاد ہی کی حامی ہے۔ ہم اس مدعا کی تائید میں صحیح بخاری کی دو حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ کتاب الدعوات میں حضور علیہ السلام کی ایک بہترین دعاء کا ایک فقرہ یوں ہے۔

ان امسکتَ نفسی فارحمھا (روح قبض کرے تو اس پر رحم کرنا)

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۵)

اسی کتاب کی پہلی جلد صفحہ ۸۳ پر ہے۔

انّ اللہ قبض اروا حکم (باب الاذان صحیح بخاری)

متکلمین نے نفوس کے مراتب مانے ہیں۔ نفس نباتی، حیوانی، انسانی...... شرح مواقف میں یہ بحث موجود ہے جو ڈارون کی تھیوری سے ملتی جلتی ہے۔

* * *

ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہمارے تعلق کی بنیادیں
کا خود بھی مطالعہ کیجئے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجئے
ہدیہ فی نسخہ: تین روپے۔ تبلیغی مقصد کیلئے یکمشت سو نسخوں پر ۳۳ فی صد کمیشن دیا جائے گا۔